قرآن کی تفسیر کا صحیح طریقہ

استاد جعفر سبحانی

بیسویں صدی عیسوی یا چودہویں صدی اسلامی مشرق اور مشرق میں رہنے والوں ، خصوصاً مسلمانوں کی بیداری کے ساتھ شروع ہوئی۔ اس صدی میں استعمار اور سامراج کا طلسم ایک حد تک ٹوٹ گیا ، مستعمرہ ممالک آزاد یا نیم آزاد ملک کی صورت میں آگئے ، مسلمان اور ان کی فکری و علمی رہنما کچھ اساسی اور بنیادی مسائل میں سوچنے اور غور و فکر کرنے لگے ، انہوں نے کمزوری اور پسماندگی کے علل و اسباب کا مطالعہ کیا اور چارہ جوئی کی کوشش میں لگ گئے۔

وہ مسائل جن کی طرف زیادہ توجہ دی گئی' قرآن کے حقائق و علوم کے معارف کی نشر و اشاعت تھی کیونکہ گذشتہ صدیوں میں صرف علماء کا طبقہ ہی اس کتاب آسمانی کے حقائق علمی سے بہرہ مند ہوتا تھا اور لوگوں کے دوسرے طبقے صرف ناظرہ خوانی (دیکھ کر پڑھ لینا) پر اکتفا کرتے تھے اور زیادہ تر ناظرہ خوانی اور تجوید میں ہی کوشش کیا کرتے تھے اور تفسیر کی کتابیں جو ان صدیوں میں لکھی گئیں ان کا مقصد صرف علماء اور دانشمندوں کے طبقہ کی رہنمائی تھی۔ اور ایسا بہت ہی کم اتفاق ہوا ہے کہ کوئی مفسر مفاہیم قرآن کی طرف رہنمائی کے لئے تفسیر لکھے ' یا تفسیر کے لئے کوئی مجلس تشکیل دے۔ گویا علماء اور دانشمندوں سے تو آیات قرآنی میں غور و فکر مطلوب تھا اور دوسرے تمام طبقات سے ناظرہ خوانی اور صرف تجوید و قرات مطلوب تھی۔

یہ طرز فکر ' علاوہ اس کے کہ بے شمار ضرر رکھتی تھی ' جس کے نقصانات کا علماء کو بعد میں پتہ چلا خود صریح قرآن کے بھی مخالف ہے کیونکہ قرآن تمام لوگوں کی قرآنی آیات کے معانی میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے اور اسے مشعل فروزاں اور متقیوں کے لئے بہترین رہنما اور ہادی اور "تذکرہ" اور یاد آوری کا ذریعہ بتاتا ہے اور ان لوگوں کی جو قرآن کے سننے اور اس کے معانی میں تدبر و تفکر کرنے سے روگردانی کرتے ہیں سخت ترین طریقہ پر مذمت کرتا ہے۔

اور فرماتا ہے :

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۝ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝

انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ قرآن سے روگردانی کر رہے ہیں، گویا وہ بھاگنے والے گدھے ہیں جو شیر سے بھاگتے ہیں۔ (۱)

وہ آیات جو متقیوں اور عقل مندوں اور مفکرین اور ہوش مندوں کو قرآن کے مفاہیم کی طرف کان دھرنے اور انہیں یاد کرنے کی دعوت دیتی ہیں اس قدر زیادہ ہیں کہ ہم ان کے متن و ترجمہ اور ان کے مواقع کے تعین کو چھوڑتے ہیں اور صرف ایک ہی آیت کے نقل اور ترجمہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور اس مطلب سے آگے گذر جاتے ہیں :

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝

ہم نے قرآن کو پند و نصیحت اور تذکر کیلئے آسان کر دیا ہے، تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ (۲)

یہ آیت اور اس کے مانند دوسری آیات یہ بتاتی ہیں کہ قرآن سمجھنا اور اس سے فائدہ اٹھانا کسی خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ عامۃ الناس کو آیات قرآنی سے فائدہ حاصل کرنے سے دور رکھنا ان تجربات کی روشنی میں، جن سے گذشتہ صدیوں میں نتیجہ حاصل ہوا ہے، وہ اس کتابِ آسمانی کے خود متن کے خلاف ہے۔ اس لحاظ سے وہ تبدیلیاں جو چودھویں ہجری کے آغاز میں تفسیر کے بارے میں ظاہر ہوئی ہیں وہ جلسات تفسیر کا عمومی ہونا اور عامۃ الناس کو اس کتاب سے آشنا کرنا ہے اور اس سلسلہ میں اسلامی ممالک کے طول و عرض (مصر، شام، عراق، پاکستان اور ایران) میں تفاسیر لکھی گئی ہیں اور ایسے جلسات تشکیل دیئے گئے کہ جن کا مقصد عامۃ الناس کو قرآن سے آشنا کرنا ہے۔

یہاں پر ضروری ہے کہ ہم صحیح تفسیر کی روش اور طرز کو اس طرح سے واضح کریں کہ اس طریقہ سے قرآن کے معارف و مفاہیم کو سمجھنے کے شائقین کی مدد سے قرآن کی نصیحتوں کی طرف بڑھیں۔ تفسیر قرآن اس طرح سے کہ مفسر آیت کے معنی کے سمجھنے میں واقعی معنی کیلئے جدو جہد اور کوشش کو آگے بڑھائے نہ یہ کہ دوسروں کی پیروی میں آیت کی تفسیر کرے، صحیح تفسیر چند شرائط کے پورا ہونے اور چند امور کی رعایت کی مرہون منت ہے، جن کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں۔

ا۔ عربی زبان کے قواعد سے آگاہی

قرآن کی تفسیر کے لئے پہلی بنیاد یہ ہے کہ مفسر قرآن کو عربی زبان کے قواعد سے مکمل طور پر آگاہ ہونا چاہیے تا کہ علم و آگاہی کے ساتھ فاعل کو مفعول، ظرف کو مظروف، حال کو ذوالحال، معطوف کو معطوف علیہ سے اچھی طرح

پہچان سکے۔ یہ صرف قرآن ہی نہیں ہے کہ جس کے لئے اس قسم کی باتوں کی مستقل ضرورت ہے بلکہ ہر کتاب سے استفادہ چاہے وہ کسی بھی زبان میں ہو ' اس زبان کی گرامر سے آگاہی کی مرہون منت ہے کیونکہ آیت کے معنی میں اکثر ایسے اشتباہات سامنے آتے ہیں جن کی اصل بنیاد زبان عربی کے قواعد سے عدم آگاہی ہے۔

یہ شرط اتنی واضح ہے کہ ہمیں اس بارے میں کسی بھی قسم کی گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ علم وآگاہی سے مقصود علوم اشتقاق اور صرف ونحو میں سپیشلسٹ اور ماہر ہونا نہیں ہے کیونکہ تفسیر قرآن کے لئے ان دو علوم میں تخصص اور ماہر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ اجمالی طور پر جان لینے سے اس قسم کے مسائل کو تشخیص کر سکے اور اشتقاق اور صرف ونحو کے بارے میں اس قسم کی تشخیص کے لئے ایک عمومی دورہ تعلیم وتربیت کی ضرورت ہے۔

۲۔ مفرداتِ قرآن کے معانی سے آگاہی

قرآن کے مفردات کے معانی سے آگاہی تفسیر قرآن کے لئے ایک بنیادی اور اساسی چیز ہے کیونکہ مرکب کو سمجھنا اس کے مفرد کو سمجھنے کی فرع ہے۔ اس شرط میں لازمی نکتہ یہ ہے کہ مفردات کے ان مفاہیم پر کہ جو ہمارے ذہن میں موجود ہیں ہرگز تکیہ نہیں کرنا چاہیے اور اس کی بنیاد پر آیت کی تفسیر نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اکثر زمانہ کے گذرنے کے ساتھ ساتھ الفاظ کے معانی میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ اور پیغمبرؐ کے زمانے میں جو معانی معروف تھے ان میں اسی طرح سے تغیر ہوا ہے۔ اسی وجہ سے لفظ کی اصل اور جڑ بنیاد کو معلوم کرنا چاہیے اور اس کے بعد اس اصل اور جڑ کے معانی کا پتہ چلانا چاہیے اور پھر آیت کی تفسیر کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔

مثلاً لفظ "عصیٰ" و "غویٰ" موجود زمانہ کے عرفِ عام میں "گناہ کیا" اور "گمراہ ہوا" کے معنی میں ہے۔ حالانکہ ان الفاظ کے اصل ریشہ اور جڑ کے معانی اس چیز کے علاوہ ہیں جو آج ہمارے ذہنوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم ایک کو دیکھتے ہیں کہ وہ آیت "وَ عَصَىٰ اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى" (طہ۔ ۱۲۱) سے پیغمبروں کی عدم عصمت پر استدلال کرتے ہیں اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ "عصیٰ" و "غویٰ" کا معنی عصر رسالت میں بھی انہیں معانی میں تھا جو آج ہمارے اذہان میں موجود ہیں۔ حالانکہ اگر ان دونوں الفاظ کی ' معنی کے لحاظ سے جڑ اور اصل معلوم کی جائے ' تو ہم دیکھیں گے کہ یہ دونوں لفظ ایسے دو بنیادی اور اصل معنی رکھتے ہیں کو آج جو کچھ ان الفاظ کے بارے میں ہمارے ذہن میں بیٹھا ہوا ہے وہ انہی اصل اور بنیادی معنی سے مشتق ہے اور ان دونوں لفظوں کے اصل اور بنیادی معنی سے اصطلاحی معصیت کے معنی ہرگز لازم نہیں آتے۔ (۳)

بہترین کتاب مصر میں چھ جلدوں میں چھپی ہے اور کتاب کے مئولف کی پوری کوشش یہ ہے کہ الفاظ کے اصل اور بنیادی معانی ہم تک پہنچادے اور اس کے بعد وہ یہ بتاتا ہے کہ پھر دوسرے معانی اس اصل بنیاد اور ریشہ وجڑ سے

تدریجاً کس طرح مشتق ہوئے اور بہ ظاہر ایک مستقل معنی کی صورت اختیار کر گئے۔

آپ آج لغت کی اکثر کتابوں گ میں کچھ الفاظ کے لئے دس دس معانی ملاحظہ کرتے ہیں اور انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یہ لفظ دس معنی کے لئے ہی وضع ہوا ہے اور اس کے دس معانی ہیں، لیکن جب وہ کتاب "المقاییس" کی طرف رجوع کرتا ہے تو واضح ہو جاتا ہے کہ اس لفظ کا صرف ایک ہی معنی ہے اور دوسرے معانی اس ایک ہی معنی کی مختلف شکلیں ہیں جنہوں نے مرور زمانہ کے ساتھ تعدد اور مستقل معنی کا رنگ اپنالیا ہے۔

اس کتاب کے علاوہ ایک مفسر واقعی کو مفردات کے معنی کی تشخیص کے لئے ابو القاسم حسین بن محمد معروف بہ راغب اصفہانی متوفی سال ۵۰۲ کی تالیف "المفردات فی غریب القرآن" اور مجد الدین ابو السعادت مبارک بن محمد جزری کی معروف بہ ابن اثیر ۵۴۴ متوفی ۶۰۶ کی تالیف "النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر" سے استفادہ کرنا چاہیے اور آخری کتاب مصر میں چھ جلدوں میں طبع ہوئی ہے اگر چہ یہ کتاب مفردات حدیث کے بارے میں ہے لیکن یہ تفسیر قرآن میں بھی شایان شان مدد کر سکتی ہے۔

۳۔ قرآن کی قرآن سے تفسیر

قرآن خود کو پوری وضاحت کے ساتھ تمام چیزوں کو بیان کرنے والا کہتا ہے، جیسا کہ فرماتا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ

ہم نے قرآن کو ہر چیز کا بیان کرنے والا بنا کر تجھ پر نازل کیا ہے۔

جب قرآن ہر چیز کو بیان کرنے والا ہے تو پھر یقیناً اپنے آپ کو بھی بیان کرنے والا ہے۔ اس بناء پر اگر کسی آیت میں کوئی ابہام ہو اور طبعی طور پر ابہام گوئی میں مصلحت ہو تو دوسری آیات کی طرف رجوع کر کے، جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، پہلی آیت سے رفع ابہام کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ شعراء میں قوم لوط کے بارے میں اس طرح فرماتا ہے:

وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝

ہم نے ان پر بارش برسائی، ڈرائے گئے لوگوں کی بارش کس قدر بری تھی (۵)

یہ آیت اجمالی طور پر بارش کے نازل ہونے کو بیان کر رہی ہے لیکن یہ بات واضح نہیں ہے کہ یہ بارش کس چیز کی تھی۔ کیا یہ پانی کی بارش تھی یا پتھروں کی بارش؟ لیکن دوسری آیت زیر بحث آیت کے ابہام کو دور کر دیتی ہے، جیسا کہ فرماتا ہے:

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝

ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کی (۶)

لفظ "حجارة" پہلی آیت کے ابہام کو واضح کرتا ہے۔
اس بناء پر کہ ہم اس بارے میں وسیع صورت میں گفتگو کریں ایک اور دوسرا نمونہ بھی پیش کرتے ہیں۔
قرآن ایک موقع پر فرماتا ہے:

هَلْ يَنظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ○

یہودی اس بات کے انتظار میں ہیں کہ خدا بادل کے سائبانوں میں فرشتوں کے ساتھ ان کے پاس آئے (جبکہ) کاموں کا فیصلہ ہو چکا ہے (اور لوگوں کا انجام کار معین ہو گیا ہے) اور تمام کاموں کی بازگشت خدا کی طرف ہے۔(۷)

اس آیت کا ظاہر ابہام سے خالی نہیں ہے کیونکہ آنا اور جانا جسم کے اوصاف میں سے ہے اور ذات مقدس خدا جسم جسمانیات سے پاک اور منزہ و مبرا ہے۔ اس صورت میں آیت کے ابہام کو ہمیں ایک دوسرے طریقہ سے دور کرنا پڑے گا۔ ان طریقوں میں سے ایک آیات متشابہ میں غور و خوض کرنا ہے کہ جن میں اس آیت کے مضمون کو دہرا گیا ہے اور مذکورہ بالا آیت سے متشابہ سورہ نحل کی یہ آیت ہے جو واضح طور پر یہ بتلاتی ہے کہ پروردگار کے آنے سے مراد خدا کے حکم کا آنا ہے جو عذاب و عقاب اور امر و نہی سے متعلق ہوتا ہے، جیسا کہ فرماتا ہے:

هَلْ يَنظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ○

کیا وہ اس کے علاوہ کوئی اور انتظار رکھتے ہیں کہ فرشتے ان کی طرف آئیں، یا تیرے پروردگار کا فرمان آئے، گذشتہ لوگوں کی سیرت بھی اسی طرح تھی خدا نے ان پر ستم نہیں کیا، بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ستم کیا۔(۸)

یہ آیت صراحت کے ساتھ پہلی بات سے ابہام کو رفع کر رہی ہے اور لفظ "امر" کے ساتھ "آنے" کے واقعی فاعل کو واضح کر رہی ہے۔ آیت کے ساتھ آیات کی تفسیر کی یہ روش ایک محکم اور استوار روش ہے آئمہ اہل بیتؑ کا بھی یہی طریقہ تھا اور اب بھی محقق مفسرین اسی روش سے استفادہ کرتے ہیں۔

استاد بزرگ حضرت آیت اللہ سید محمد حسین طباطبائی کی تفسیر "المیزان" بھی اسی روش اور بنیاد پر لکھی گئی ہے۔ البتہ یہ مسئلہ آیات قرآنی کے مجموعہ کی ہم آہنگی کی طرف توجہ کرنے کے مسئلہ سے جدا ہے جس پر بعد میں بحث کی جائے گی۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ ایک آیت کے اجمال کو دوسری آیت کے ذریعہ برطرف کیا جا سکتا ہے جب کہ بعد والے عنوان میں ہدف ایک دوسری چیز ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی ایک آیت سے نتیجہ نکالتے وقت قرآن اس کے ظاہر میں کوئی

بھی اجمال نہ ہو' دوسری آیات کو نظر میں رکھے بغیر جو اسی بارے میں نازل ہوئی ہیں نتیجہ نکالیں اور اس کے مضمون کو خدا کی طرف نسبت دیں اور ان دو مطالب میں فرق واضح ہے۔

۴۔ شانِ نزول کی طرف رجوع

قرآن مجید تئیس سال کے عرصہ میں سوالات و جوابات یا واقعات اور روئیدادوں کے ایک سلسلہ کے بعد نازل ہوا ہے۔ اس لئے شانِ نزول سے آگاہی 'بعض اوقات' آیت کے مفہوم کو ایک خاص قسم کی روشنی بخشتی ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ شانِ نزول کے بغیر آیت کے معنی سے واقف ہی نہیں ہو سکتے اور اس کی تفسیر ہو ہی نہیں سکتی بلکہ آیات قرآنی اس بناء پر کہ وہ "ہدایت" کا سبب اور "بینہ" اور فرقان ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

هُدًى لِلنَّاسِ وَ بَيِّنَاتٍ مِنَ الهُدىٰ وَ الفُرقَانِ○

قرآن لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے اور اس میں ہدایت اور حق کی باطل سے جدائی کی نشانیاں موجود ہیں۔(۹)

اور پھر فرماتا ہے:

وَاَنزَلنَا اِلَيكُمْ نُوراً مُبِيناً

ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کیا ہے۔(۱۰)

یہ آیات طبعی طور پر قابل تھیں اور شانِ نزول کی طرف رجوع کئے بغیر بھی قابل فہم ہیں "ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کیا ہے۔" لیکن شانہائے نزول کی طرف توجہ کرنے سے آیت کا معنی زیادہ روشن اور واضح ہو جاتا ہے۔

یہاں پر ہم ایک نمونہ پیش کرتے ہیں جو ہماری گفتگو کا شاہد بن سکتا ہے۔ سورہ توبہ میں فرمایا ہے:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيهِمُ الاَرضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيهِمْ اَنفُسُهُمْ وَ ظَنُّوا اَنْ لَا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيهِمْ لِيَتُوبُوا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ○

ان تین افراد کو جنہوں نے جنگ سے تخلف کیا تھا یہاں تک کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی۔ اور وہ خود بھی دل تنگ ہو گئے اور وہ جان گئے کہ خدا کے علاوہ اور کوئی پناہ گاہ نہیں ہے' تو اس وقت خدا نے انہیں توبہ کرنے کی توفیق دی تاکہ وہ توبہ کریں' خدا توبہ کو قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔(۱۱)۔

اس میں شک نہیں آیت کا معنی واضح ہے لیکن انسان یہ چاہتا ہے کہ اس آیت کے معنی کے سلسلہ میں ذیل میں بیان شدہ جہات سے بھی آگاہ ہو۔

الف۔ یہ تین نفر کون تھے ؟ ب۔ انہوں نے تخلف کیوں کیا؟ ج۔ زمین ان پر کیسے تنگ ہوئی ؟
د۔ ان کا سینہ زندگی سے تنگ اور روح میں دباؤ کیسے آیا؟ ھ۔ انہوں نے کس طرح سمجھا کہ خدا کے علاوہ اور کوئی پناہ گاہ نہیں ہے ؟ و۔ ان کے بارے میں توفیق الٰہی سے کیا مراد ہے ؟

ان سوالات میں سے ہر ایک کا جواب اس آیت کے شانِ نزول کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہو جائے گا۔ یہاں پر ہم ایک نکتہ کی یاد دہانی ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہر شانِ نزول قابل اعتماد نہیں ہے۔ لہذا کسی شانِ نزول پر اعتماد کرنے کے لئے ان موازین سے کہ جن کے ذریعہ صحیح کو غیر صحیح سے تمیز دی جاتی ہے 'استفادہ کرنا چاہیے ' خصوصاً قصص قرآنی کے شانِ نزول میں گذشتہ پیغمبروں اور ان کی امتوں سے مربوط ہیں 'احتیاط کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیے 'کیونکہ ان میں سے بہت سے شانِ نزول علماء یہود و نصاریٰ اور دوسرے افراد کے ذریعہ نقل ہوئے ہیں اور اس قسم کی تاریخی نقول پر ہر گز اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور بہت سی تفاسیر میں اس شرط کی رعایت نہیں کی گئی اور نا قابل اعتماد افراد سے ہر قسم کے شانِ نزول نقل کر دیئے گئے ہیں۔

۵۔ صحیح احادیث کی طرف رجوع

آیات قرآنی کا ایک حصہ آیات احکام سے مربوط ہے 'ایسی آیات جو مکلفین کے اعمال و افعال کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں اور ان کے حکم کو بیان کرتی ہیں۔ اس قسم کی آیات کی تعداد قرآن میں کم نہیں ہے ' یہاں تک کہ بعض نے انہیں پانچ سو آیات تک پہنچاتا ہے۔ اگرچہ ان آیات کی تعداد اس مقدار سے کچھ کم ہی ہے 'لیکن اس قسم کی آیات سے فائدہ اٹھانا صحیح اسلامی احادیث کی طرف رجوع کئے بغیر ممکن نہیں ہے کیونکہ ان آیات میں سے زیادہ تر تو وہ مطلقات ہیں کہ جن کی شرائط نبی اکرمؐ اور ان کے معصوم جانشینوں کی زبان سے وارد ہوئی ہیں 'یا وہ عمومات ہیں جن کے مخصص بعد میں سنت نبی اکرمؐ میں بیان ہوئے ہیں اور یہ بات کہے بغیر واضح ہے کہ اطلاق مطلق یا عموم عام سے مقیدات و مخصصأ کی طرف رجوع کئے بغیر استدلال کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس بناء پر کہ یہ مسئلہ زیادہ واضح صورت میں بیان ہو 'ہم اس سلسلے میں دوبارہ گفتگو کرتے ہیں۔

الف۔ قرآن مجید میں کچھ موضوعات ایسے وارد ہوئے ہیں کہ ان کے بارے میں احادیث اسلامی اور سیرت مسلمین کے سوا کسی قسم کی اور کوئی توضیحات نظر نہیں آتیں ' مثلاً قرآن نے نماز 'روزہ 'زکوٰۃ 'خمس اور حج کو واجب کیا ہے جب کہ ان کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی ہے۔ لہذا ہمارے لئے کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم ان مجملات کی خصوصیات کو احادیث اسلامی اور سیرت مسلمین سے اخذ کریں اور ان مراجع کی طرف رجوع کئے بغیر ان کے بارے میں ہر قسم کی تفسیر و توضیح ایک محال چیز کی آرزو کی حیثیت رکھتی ہے اور اسلام کے آغاز سے لے کر آج تک اس قسم کی آیات کی تفسیر میں ساری دنیا کے مسلمانوں کا طریقہ وہی ہے جو بیان ہوا ہے۔

ب۔ قرآن مجید میں کچھ عمومات اور مطلقات وارد ہوئے ہیں لیکن ان کے مخصصات اور مقیدات صرف سنت پیغمبر اور احادیث معصومینؑ میں ہی موجود ہیں۔ یہ صرف قرآن کا ہی طریقہ نہیں ہے کہ قوانین کے تبصروں کو ان کے ساتھ ذکر نہیں کرتا، بلکہ ساری دنیا کی قانون گذاری کی رسم بھی اسی پر جاری ہے یعنی ملک میں جاری قوانین پر زمانہ کے گذرنے کے ساتھ تبصرے اور تخصیصات اور تقییدات میں قانون بشری کے تبصروں کے ساتھ جو فرق ہے، وہ یہ ہے کہ قانون بشری میں تبصروں کی اصل سے جدائی کا سبب وہی آگاہی بشر کی محدودیت ہے جو اس بات کا سبب بنتے ہیں کہ قوانین اور زمانہ کی ساتھ تبصرے پیدا کریں اور کچھ موارد قانون سے خارج ہوں اور کچھ مواد اس کے ساتھ ملحق ہوں، جبکہ تشریع الٰہی کی دستگاہ میں محدودیت کا مسئلہ درپیش نہیں ہوتا اور قانون کے تمام خصوصیات چاہے وہ ایسے ہوں جنہیں بعد میں قانون سے خارج ہونا چاہیے اور چاہے وہ ایسے ہوں کہ جنہیں بعد میں قانون کے ساتھ ملحق ہونا چاہیے، ایک ایسے قانون گذار کے لئے جیسا کہ "خدا" ہے واضح وروشن ہوتے ہیں لیکن بعض اوقات مصالح اجتماعی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ خصوصیات قانون تدریجاً بیان ہوں اور تمام کے تمام مسائل ایک ہی جگہ بیان نہ ہوں۔ مثلاً قرآن سود کو حرام کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا

اللہ نے سود کو حرام قرار دیا ہے

لیکن احادیث اسلامی کئی موارد میں سود حلال شمار ہوا ہے، مثلاً باپ اور بیٹے کے درمیان یا شوہر اور بیوی کے درمیان سود اور ان تحلیلات کے مصالح کامل طور پر واضح ہیں کیونکہ ان دونوں مواد میں ان دونوں کے "صندوق کی وحدت" اور "دونوں گروہوں کے ایک دوسرے سے ملاپ" کی وجہ سے سود میں ظالمانہ رنگ نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ حلال شمار ہوا۔ فرمایا گیا:

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَانَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا

اور جو رسولؐ تمہیں (احکام) دے اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔ (۱۳)

اس آیت کے مطابق ان تمام احکام جو رسول خداؐ نے دیئے ہیں قبول کرنا چاہیے اور ان تمام باتوں سے جن کے ارتکاب کو آپ نے حرام قرار دیا ہے، دوری اختیار کرنا چاہیے۔

اب اگر مفسر یہ چاہے کہ اس قسم کی آیات کی تفسیر میں جس کی تعداد قرآن میں کم نہیں ہے خود قرآن کو ہی کافی سمجھے اور احادیث کی طرف رجوع کرنے سے روگردانی کرے تو اس نے مذکورہ بالا آیت کی مخالفت کی ہے اور اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

احکام سے مربوط آیات کے ایک حصہ کی ضرورت نے (چاہے وہ مفاد و معنی میں اجمال کی وجہ سے ہو، مثل نماز و

زکوٰۃ کے ، اور چاہے مخصص و مقید یعنی تبصرہ اور استثناء قانون کے لحاظ سے ہو) سنت و احادیث رسولؐ کے طریقہ سے توضیح و تعبیر کرنے کیلئے فقہا کو اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ وہ اس قسم کی علیحدہ اور جداگانہ تفسیر کریں اور اس قسم کی مخصوص آیات کے بارے میں کتابیں لکھیں اور اس سلسلہ میں "جصاص" "فاضل مقداد" "محقق اردبیلی" اور "جزائری" کی تفسیر آیاتِ احکام بہترین کتابیں اور تفسیریں ہیں۔ اس غرض سے کہ قارئین کرام کو اس بارے میں اور زیادہ علم و آگاہی حاصل ہو، ہم ان موارد میں سے دو اور نمونے پیش کرتے ہیں۔

ج۔ قرآن مطلق طور پر ہر قسم کے لین دین کو جائز سمجھتا ہے یا ہر قسم کے عقد و قرار داد اور عہد و پیمان کو محترم سمجھتا ہے اور اس پر عمل کرنے کو ضروری جانتا ہے، جب کہ سنّت پیغمبرؐ اور احادیث اسلامی جو فریقین کے لئے مورد احترام ہیں چند ایک معاملات کے غیر صحیح ہونے کا اعلان کرتی ہیں، مثلاً آلات قمار کی خرید و فروخت، مست کرنے والے مایعات، اور بیع منابذہ و ملامسہ وغیرہ، جن کے تمام خصوصیات حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔

تو اس بناء پر آیت: "واحلّ اللّٰہ البیع" کی تفسیر ان روایات و احادیث کی طرف رجوع کئے بغیر صحیح اور درست نہیں ہے۔ اسی طرح آیت:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ"

اے ایمان والو اپنے عہد و پیمان (اور قول و قرار) پورے کرو۔ (۱۴)

کی تفسیر ان احادیث کی طرف رجوع کئے بغیر، جو بعض شرائط اور عہد و پیمان کو لغو اور باطل قرار دیتی ہے، صحیح نہیں ہے جیسا کہ کہتا ہے:

"اِلَّا شَرطًا اَحَلَّ حَرَامًا حَلَالًا"

مگر وہ شرط جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے۔

۶۔ قرآن کی گواہیاں

مذکورہ بالا مطلب ایک ایسی محسوس و ملموس حقیقت ہے جسے ہر مفسر قریب سے لمس کرتا ہے اور واقعیت کو پسند کرنے والے ہر انسان کو قانع کرتا ہے۔ اس سے قطع نظر، قرآن واضح طور پر گواہی دیتا ہے کہ قرآن رسول اکرمؐ کے بیان کا محتاج ہے کیونکہ پیغمبرؐ کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کی لوگوں کے سامنے تلاوت کرنے کے علاوہ اس کے مقاصد کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان کرے۔ ہم یہاں پر قرآن سے کچھ نمونے بغیر تشریح و تفصیل کے پیش کرتے ہیں۔

اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ

ہم نے قرآن کو تم پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ تم اس کو، جو لوگوں کے لئے نازل کیا گیا ہے، بیان کرو تاکہ وہ اس میں غور و فکر کریں۔ (۱۵)

ہمارے مقصد پر آیت کی دلالت اس صورت میں واضح ہو گی جب کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ آیت پیغمبر کی ماموریت کو "لتبیّن" کی لفظ سے بیان کر رہی ہے اور اس کا مفاد "لتقراء" کے مفاد کا غیر ہے یعنی پیغمبر دو ماموریتیں رکھتا ہے :

۱۔ قرآن کی آیات کو پڑھے۔ ۲۔ آیات قرآن کو بیان اور اس کے مقاصد کی وضاحت کرے۔

اور اس آیت اور اسی جیسی آیات کا ہدف اور مقصد قرآن کی تمام آیات نہیں ہیں بلکہ آیات قرآنی کا وہ حصّہ ہے جس کے مفاد یا تمام خصوصیات پر رسول اکرمؐ یا ان کے جانشینوں کے بیان کئے بغیر اطلاع نہیں ہو سکتی، مثلاً آیات احکام میں سے مجمل آیات، یا وہ آیات جو تبصرہ اور استثنا رکھتی ہیں۔

لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖO اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗO فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗO ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗO

قرآن کو پڑھنے کے لئے جلدی کی خاطر اپنی زبان کو حرکت نہ دو، آیات کو جمع کرنا اور ان کو پڑھنا ہمارے ذمہ ہے جب ہم تم پر پڑھ چکیں تو پھر تم اس کی پیروی کرو، پھر اس کے بعد اس کے مقاصد کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ (۱۶)

۱۔ قرآن کا پڑھنا ۲۔ آیات کا جمع کرنا ۳۔ اس کے مفاہیم کی وضاحت

اور یہ بات کہے بغیر ظاہر ہے کہ پیغمبر کے لئے مفاہیم قرآن کی وضاحت وحی کے طریقہ سے ہی ممکن ہے، ورنہ لوگوں پر ہرگز براہ راست وحی نہیں آتی اور پیغمبر پر وحی الہٰی کا مضمون یا تو قرآن میں یا اس کے رسول کی سنّت میں ہی منعکس ہوتا ہے۔ اس بناء پر آیات کے معنی و مفاد کی وضاحت کے سلسلہ میں دونوں منابع کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ایک ہی پر ہرگز اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔

دوسرے لفظوں میں خدا اس آیت میں پیغمبر کو قرات (پڑھنے) میں جلدی کرنے سے منع کرتا ہے۔ اس کے بعد اس کو جمع کرنے اور اس کے پیغمبرؐ پر پڑھنے کو اپنے ذمہ لیتا ہے اور یہ حکم دیتا ہے کہ فرشتے کے پڑھنے کے وقت اس کی پیروی کرے اور اس کے بعد اس کے بیان (اور مطالب و مضامین) کی وضاحت اپنے ذمہ لیتا ہے جیسا کہ "ثمّ انّ علینا بیانہ" کی آیت کی صراحت ہے۔

یہاں اس بیان سے مقصود جسے خدا اپنے ذمہ لیتا ہے، کونسا بیان ہے۔ یہ تصور نہ کیا جائے کہ مقصود الفاظ آیات کا بیان کرنا ہے۔ کیونکہ یہ مطلب پہلے "انّ علینا جمعہ و قرانہ" کے جملہ میں کہا جا چکا ہے۔ اب اس کے دوبارہ تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ مسلمہ طور پر اس سے مراد آیات کے مضامین کا بیان اور وضاحت ہے جو خدائی بیان کی محتاج ہیں اور پھر پیغمبر اس کے برحق جانشین مقام وحی سے اسے دریافت کرنے کے بعد لوگوں سے بیان کرتے ہیں۔ البتہ

ہدف یہ نہیں ہے کہ ہر ہر آیت ہی بیان (تشریح و وضاحت) کی محتاج ہے کہ کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ آیت "ان اللہ علی کلِّ شئٍ قدیر" بھی بیان کی محتاج ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ ہم اجمالی طور پر مقاصد سے آشنائی کے سلسلہ میں وحی کے بیان کے محتاج ہیں اور سر دست ہمیں اس کی مقدار کے بارے میں کوئی بحث نہیں ہے۔

البتہ جیسا کہ شانِ نزول کی طرف رجوع کرنے کے سلسلہ ہمیں ہم نے ذکر کیا تھا تفسیر قرآن کے لئے ہر خبر اور حدیث کو لینے کے لئے تیار نہیں ہو جانا چاہیے 'بلکہ حدیث کو سند اور دلالت کے لحاظ سے پرکھنا چاہیے اور "جامع الشرائط" ہونے کے بعد اس سے مدد لینی چاہیے۔

۶۔ تمام آیات قرآن کی ہم آہنگی کی طرف توجہ (۱۷)

جو کچھ بیان ہو چکا وہ اصل تفسیر قرآن کی بنیاد اور اساس ہے۔ لیکن تفسیر کی صحت اور اس کے اتقان و استواری کی اہم شرط یہ ہے کہ مفسر کسی بھی آیت کو اس سورہ کی دوسری آیات سے اور دوسری سورتوں کی آیات سے اور خلاصہ یہ ہے کہ تمام قرآن سے جدا نہ سمجھے اور اس بات کا اطمینان رکھے کہ تمام کی تمام آیات ایک ہی ہدف کو بیان کر رہی ہیں 'یا ایسے اہداف کو بیان کر رہی ہیں کہ سب کی سب ایک وسیع ہدف میں خلاصہ ہوتی ہیں۔

تفسیر میں سب سے بڑی لغزش اسی بات میں ہوتی ہے کہ کوئی شخص زبانِ عربی کی گرائمر سے آگاہی کی بناء پر کسی آیت کی تفسیر کرنے لگے اور جو آیات اس آیت سے مشابہ وارد ہوئی ہیں ان سے غفلت اختیار کرے اور تفسیر کی یہی لغزش مختلف اسلامی مذاہب و عقائد کا سبب بنی ہے اور ہر ملت اور صاحب مذہب اپنے عقیدے پر قرآن سے دلیل اور گواہ لاتا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ تمام صاحبان مذاہب چاہے وہ مجبرہ ہوں یا معتزلہ 'مشبہ ہوں یا مجسمہ 'مرجیہ ہوں یا دوسرے عقائد و مذاہب رکھنے والے 'ہر ایک اپنے عقیدہ و نظریہ پر قرآن ہی کی مختلف آیات سے استدلال کرتا ہے اور خود کو پیرو قرآن سمجھتا ہے جب کہ ان میں اکثر مذاہب باطل ہیں 'اور قرآن سے بہت دور ہیں۔

جب ہم ان مذاہب کے پیدا ہونے کی اصل اور جڑ کی جستجو کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان فرقوں اور مذاہب کی پیدائش کے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ ہر فرقہ ایک آیت کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور اس سلسلہ میں وارد شدہ دوسری آیات سے جو پہلی آیت کا بیان اور وضاحت ہو سکتی ہے غافل رہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن میں کچھ ایسی آیات وارد ہوئی ہیں کہ اگر ان پر اکیلے ہی اکیلے تحقیق کی جائے تو وہ ہمیں طرح طرح کے افکار و نظریات مثلاً جبر و اختیار 'تشبیہ و تنزیہ و تجسیم کی طرف لے جائے گی اور ان تمام عقائد کو جو ایک دوسرے کے ضد و نقیض ہیں ہرگز وحی الٰہی کے ساتھ مربوط نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی یہ سب قرآن کے مقاصد کو تشکیل دیتے ہیں 'جب کہ قرآن خود یہ کہتا ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

اگر قرآن خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا، تو اس میں بہت زیادہ اختلاف ہوتا (۱۸)

یہ گرہ اس صورت میں کھولی جاسکتی ہے جب ہم آیات کی ہم آہنگی اور ان کے مجموعہ کے ایک دوسرے سے نظم وانسجام سے غفلت نہ برتیں اور اس بات کی طرف توجہ کریں کہ قرآن ذیل میں بیان کردہ دو صفات کے ساتھ اپنی تعریف کرتا ہے :

۱۔ ''متشابھاً'' ایک دوسرے سے مشابہ ۲۔ ''مثانی'' مضمون کے لحاظ سے مکرر

جیسا کہ فرماتا ہے :

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھاً مَّثَانِیَ ٥

اللہ نے بہترین بات نازل کی ہے ایسی کتاب جس کی آیات (لطافت و زیبائی اور مضمون کی گہرائی کے لحاظ سے) ایک دوسرے سے مشابہہ ہیں۔ (۱۹)

اور طبعی طور پر ہر مشابہ دوسری مشابہ کے ساتھ اختلافی نقاط رکھنے کے باوجود یقینی طور پر مشترک پہلو بھی رکھتی ہے اور انہیں مشترک جہات کی بناء پر ضروری ہے کہ ایک آیت کی تفسیر میں اس سلسلہ میں وارد شدہ تمام آیات کو بھی دیکھنا چاہیے۔ اس کے بعد ان کے مجموعہ سے کوئی نظریہ اخذ کرنا چاہیے۔ اور یہی حال ایک ہی واقعہ کے لئے بار بار دھرائے جانے والے مضامین کا ہے۔

یہ وہ منزل ہے کہ جہاں تفسیر کی ایک اور قسم کی بنیاد رکھنا جو اصلاح میں تفسیر ''موضوعی قرآن'' ہے لازم ہو جاتا ہے اور اس روش سے مقصود یہ ہے کہ ایک موضوع کی تمام آیات کو مقدور بھر ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور پھر ایک دوسری آیات کے قرینہ سے آیات کا ایک دوسرے کے ساتھ موازنہ کر کے تمام کے مجموعہ سے کوئی ایک نظریہ قائم کیا جائے۔ جب کہ قرآن کی تفسیر کی دوسری روش یعنی آیات قرآنی کی تفسیر سورہ بہ سورہ کی صورت میں مفید اور سود مند تو ہے، یہاں تک کہ ایک طبقہ کے لئے تو اس روش کے علاوہ اور کوئی دوسری روش مفید واقع ہو ہی نہیں سکتی، لیکن اس کے باوجود قرآن کے مقاصد سے 'جامع الاطراف صورت میں' پردہ اٹھانا سوائے تفسیر موضوعی کے طریقہ کے جو آیات قرآن کی ''ہم آہنگی اور ایک دوسرے کے ساتھ نظم وانسجام'' کی روح ہے ممکن ہی نہیں ہے اور یہ وہی راستہ ہے جسے راقم نے ''منشور جاوید'' اور کتاب ''مفاہیم القرآن'' میں طے کیا اور طبعی طور پر وہ بھی نقص سے خالی نہ رہا ہوگا اور آنے والے لوگ اس روش کی تکمیل کریں گے۔

۷۔ سیاقِ آیات کی طرف توجہ

سیاق اور اصلاح کے مطابق آیت کے ماقبل و مابعد کی طرف توجہ ایک طرح کی چھٹی شرط یعنی تمام قرآنی آیات کی ایک دوسرے سے ہم آہنگی کی شاخ ہے مثلاً جہاں قرآن کسی موضوع کے سلسلہ میں گفتگو کرتا ہے اور اس بحث میں کچھ آیات کو وارد کرتا ہے تو اس مورد میں ایک آیت کی طرف توجہ اور دوسری آیات سے انقطاع کا نتیجہ 'لغزش اور قرآن کے

مقصد سے دوری کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔

یہ صرف قرآن ہی نہیں ہے کہ جس کے جملوں اور آیات کی تفسیر میں تمام ما قبل و مابعد کی آیات کو نظر میں رکھنا چاہیے 'بلکہ ہر حکیم و دانا کی گفتگو کی تشریح و تفسیر اسی بنیاد پر استوار ہے۔ اس موضوع کی وضاحت کے لئے ' ہم اس بحث میں ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔ قرآن سورہ اعراف میں اس طرح فرماتا ہے :

یَابَنِی اٰدَمَ اِمَّا یَاتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنکُم یَقُصُّونَ عَلَیْکُمْ اٰیَاتِی فَمَنْ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُونَ

اے اولاد آدم اگر تمہاری طرف خود تمہاری ہی نوع میں سے پیغمبر آئیں اور تمہارے لئے ہماری آیات پڑھیں تو تم میں سے جو شخص (میرے احکام کی مخالفت سے) پرہیز کرے گا اور درستی و اصلاح کی راہ (نہ کہ فساد کی راہ) اختیار کرے گا ' تو اس کے لئے نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی کوئی حزن و ملال۔ (۲۱)

اگر ہم آیت کی تفسیر میں "سیاق "آیت سے صرف نظر کر لیں 'اور خود آیت کو اس کے ما قبل و مابعد سے کاٹ کر نظر میں رکھیں ' تو آیت کا مفاد یہ ہوگا کہ قرآن رسول اکرمؐ کے بعد پیغمبروں کے آنے کی خبر دے رہا ہے۔ اور باب نبوت کو ختم اور بند نہیں سمجھتا ' جبکہ ایک دوسری آیت میں پیغمبر کا "نبی خاتم " کے عنوان سے تعارف کرا رہا ہے اور بتاتا ہے کہ باب نبوت اس کے ذریعہ بند ہے اور ابد تک کسی شخص پر نہیں کھلے گا۔ جیسا کہ فرماتا ہے :

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَ کَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًاO

محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ خدا کا رسول اور پیغمبروں کا خاتم ہے اور خدا ہر چیز کا عالم و دانا ہے۔ (۲۲)

ان دو متناقص نتائج کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ پہلی آیت کی تفسیر میں سیاق آیات سے صرف نظر ہوا ہے اور ما قبل و مابعد سے کٹی ہوئی آیت محل تفسیر قرار پائی ہے حالانکہ اگر خود قرآن کی طرف رجوع کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ آیت سورہ اعراف کی مجموعی ۲۶ آیات (۱۱ تا ۳۶) کا ایک جزء ہے جو سب کی سب اس حادثہ کو بیان کر رہی ہیں جو انسان کی پیدائش کی ابتداء میں پیش آیا تھا ' یعنی خلقت آدم اور ان کے بہشت سے نکلنے اور اپنی اولاد کے ساتھ روئے زمین پر ٹھہرنے کے زمانے کے ساتھ مربوط ہے۔ اس موقع پر خدا اولاد آدم کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے اولاد آدم اگر تمہاری طرف پیغمبر آئیں تو جو شخص تقویٰ و پرہیز گاری کرے گا اور اصلاح کا راستہ اختیار کرے گا تو اس کے لئے خوف و ہراس اور حزن و ملال نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آدم کے زمین پر استقرار کے بعد بے شمار پیغمبر نوع بشر کی رہنمائی کے لئے خدا کی طرف سے آئے ہیں اور سب کا پروگرام یہ تھا۔

فَمَنْ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

اور اس قسم کا خطاب آغاز خلقت اس چیز سے مانع نہیں ہے کہ ہمارے پیغمبر، پیغمبر خاتم ہوں اور ان کے ذریعہ باب نبوت جو سالہاسال سے روئے بشر پر کھلا ہوا تھا کئی اسباب کی بناء پر بند ہو گیا ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ قرآن زمانہ کے اس وقت کے خطاب کو ہمارے لئے نقل و حکایت کر رہا ہے نہ یہ کہ اس واقعہ کو، جو نزول قرآن کے بعد وقوع پذیر ہو گا، بیان کر رہا ہے۔ اور یہ حقیقت اسی صورت میں واضح ہو گی جب ہم یہ جان لیں کہ قرآن اپنی ۲۶ آیات میں اولاد آدم کو تین مرتبہ "یا بنی آدم" کے جملہ سے مورد خطاب قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

(۱) "يَا بَنِيٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاساً...."

اے اولاد آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا (۲۳)

(۲) "يَا بَنِيٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ...."

اے اولاد آدم! شیطان تمہیں دھوکہ نہ دے جیسے تمہارے ماں باپ کو دھوکہ دیکر جنت سے نکال دیا (۲۴)

(۳) "يَا بَنِيٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ...."

اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں (۲۵)

ایک اور موقع پر بھی جہاں قرآن آغاز آفرنیش کے خطابات کے سلسلہ میں گفتگو کر رہا ہے اس لفظ کو استعمال کرتے ہوئے کہتا ہے:

"اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يَا بَنِيٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ"

اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (۲۶)

اور اس قسم کے خطابات آغاز آفرنیش کے زمانہ سے مربوط اور اس سے مناسبت رکھتے ہیں، نہ کہ رسول اکرمؐ کے زمانہ سے۔ اس بیان سے واضح ہو گیا کہ زیر بحث آیت میں خطاب آغاز آفرنیش کے ابتدائی خطابات کا جزء ہے اور اس کا مفاد ختم نبوت سے کوئی ارتباط نہیں رکھتا اور اشتباہ اور غلطی کی جڑ اور بنیاد سیاق آیت کو نظر انداز کرنا ہے۔

سیاق آیات اور احادیث متواتر

اگرچہ آیت کے ماقبل و مابعد کی طرف توجہ صحیح و استوار تفسیر کی ایک کلید ہے، لیکن اس کے باوجود سیاق آیت اس وقت تک معتبر ہے کہ جب آیت کا استقلال اور اپنے ماقبل سے اس کی جدائی قطعی و یقینی دلیل سے ثابت نہ ہو اور ثبوت کی صورت میں آیات کے "سیاق" کو آیت کی تفسیر میں دخیل نہیں سمجھنا چاہیے۔

آیات قرآنی کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ بعض اوقات (البتہ کبھی کبھار) قرآن ایک موضوع سے فارغ ہونے سے پہلے کسی مناسبت سے ایک نئے موضوع کو پیش کرتا ہے اور اس موضوع سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ پہلے موضوع کو بیان کرنا شروع کر دیتا ہے اور یہ قرآن کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے اور فصیح وبلیغ افراد کے کلام میں بھی کم وبیش اس کی نظیر ملتی ہے۔

البتہ مقصود یہ نہیں کہ قرآن ایک موضوع کے اثناء بحث میں بغیر کسی مناسبت کے نئے موضوع کو ذکر کر دیتا ہے اور اصطلاح کے مطابق ایک موضوع سے مربوط ایک آیت یا کچھ آیات کو دوسرے موضوع سے مربوط آیات کے درمیان "اقحام" (بغیر سوچے سمجھے داخل) کر دیتا ہے۔بلکہ مقصود یہ ہے کہ مناسبت کو محفوظ رکھتے ہوئے پہلے موضوع کے ختم ہونے سے پہلے نئے موضوع کو پیش کرتا ہے اور اس کے بعد دوبارہ پہلے موضوع کی آیات کی تکمیل کرتا ہے۔

اس کے لئے نمونہ پیش کرتے ہیں :

قرآن سورہ بقرۃ میں آیت ۲۲۱ سے لے کر آیت ۲۴۰ تک زوجہ وشوہر، فرزند واولاد، طلاق اور شوہر کی موت اور اسی کے مانند مسائل سے مربوط باتوں کو بیان کرتا ہے اور اس حصہ کی تمام آیات کامل طور پر ایک موضوع پر اور آپس میں ہم آہنگ ہیں لیکن آیت نمبر ۲۳۷ کے بعد آیات ۲۳۸، ۲۳۹ میں نماز کی ادائیگی، خصوصاً نماز "وسطی" کی اور جہاد اور جنگ کی حالت میں نماز کے موضوع کو پیش کرتا ہے۔(۲۷)

اب رہی یہ بات کہ دونوں موضوعات کی آیات میں مناسبت کی وجہ کیا ہے وہ سر دست ہمارے لئے در پیش نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسی واقعیت ہے کہ جسے ہم لمس کرتے ہیں۔اسی بناء پر جب قطعی دلائل جیسے خبر متواتر، یا علم آفریں قرائن سے نزدیک خبر سیاق آیات کے برخلاف گواہی دے تو ان احادیث کے حجت ہونے کی بناء پر سیاق آیات سے دستبردار ہونا پڑے گا اور صحیح احادیث کی پیروی کرنا پڑے گی۔

ہم نے نمونہ کے طور پر دو موارد کا ذکر کرتے ہیں :

(۱) قرآن سورہ احزاب میں آیت ۳۸ تک پیغمبر کی بیویوں کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے لیکن آیت ۳۲ کے ذیل میں اس طرح فرماتا ہے :

اِنَّمَا يُرِيْدُاللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً

سیاق آیت یہ کہتا ہے کہ یہ آیت رسول اکرمؐ کی بیویوں کے ساتھ مربوط ہے جب کہ فریقین کی متواتر احادیث اس کو ایک خاص گروہ کے ساتھ مربوط سمجھتی ہیں جو زیور عصمت سے آراستہ ہے تو اس قسم کے مورد میں قطعی احادیث اس قسم کے سیاق سے مقدم ہیں۔

اس کے علاوہ خود آیت میں دو واضح گواہ موجود ہیں کہ آیت پیغمبر کی بیویوں سے مربوط نہیں ہے اور وہ دو گواہ

"عنکم" "ویطھّر کم" ہیں، جو آیت کے پیغمبر اسلامؐ کی بیویوں پر منطبق ہونے کو غیر صحیح بتاتے ہیں۔ (۲۸)

اب "طہارت اہل بیت" کو پیغمبر کی بیویوں کے بارے میں بحث کے ضمن میں بیان کرنے میں کیا مناسبت ہے، سردست ہمیں اس سے سروکار نہیں ہے۔

(۲) قرآن سورہ مائدہ میں آیت ا سے ۵ تک لحوم (گوشت) اور اس کے ملحقات کے بارے میں ایک طرح کی بحث کرتا ہے، لیکن تیسری آیت کے آدھے میں پہنچ کر فرماتا ہے:

اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُمُ دِینَکُم وَ اَتمَمتُ عَلَیکُمُ نِعمَتِی وَرَضِیتُ لَکُم الِاسلَامَ دیناً

آیت کا سیاق یہ کہتا ہے کہ آیت کو محرمات مثلاً مردار، خون، سور کا گوشت وغیرہ کی تحریم کے دن کے ساتھ مربوط کریں اور یہ کہیں کہ "الیوم" سے مراد وہ دن ہے کہ جس دن اس قسم کے گوشتوں کی حرمت کا اعلان ہوا تھا، لیکن قطعی قرائن اور متواتر روایات گواہی دیتی ہیں کہ آیت اس قسم کے گوشتوں کی تحریم کے دن سے مربوط نہیں ہے بلکہ یہ آیت روز غدیر "رہبر" کے تعین کے طریق سے دین کی تکمیل کے دن نازل ہوئی ہے واقع اور حقیقت بین مفسر کو ان قطعی قرائن اور ان احادیث کے مقابلہ میں سیاق آیات سے صرف نظر کرنا پڑے گا۔ اس بارے میں بھی نمونے ہیں کہ جو ہماری گفتگو کے گواہ ہیں، لیکن ہم اختصار کے پیش نظر ان کو پیش کرنے سے صرف نظر کرتے ہیں۔

۸۔ نظریات وآراء سے آگاہی

مفسرین اسلامی کے آراء و نظریات سے آگاہی حاصل کرنا جنہوں نے ایک عمر قرآن پر کام کرتے گزاری ہے اور حق بات یہ ہے کہ وہ استاد فن شمار ہوتے ہیں تفسیر قرآن کی ایک بنیاد ہے۔

اس میں شک نہیں کہ نزول قرآن کے وقت قرائن اور مکان و زمان کے مطابق لوگوں کی آگاہی کی بناء پر بہت سے آیات کے مفاہیم واضح تھے اور قرآن کے مقاصد کو سمجھنے کے لئے ان آراء سے آگاہی کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن فاصلہ زمانی کی بناء پر اور اس قسم کے قرائن کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے، ان اقوام وآراء سے جو اس قسم کے ہاتھ سے کھوئے ہوئے قرائن کو واضح کر سکتے ہیں مدد لینی چاہیے اور ہرگز تنہا اور اکیلے ہی تفسیر قرآن نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایک جماعت کی فکر و نظر ایک فرد کی فکر و نظر سے بالاتر ہے اور ایک فرد کی فکر میں لغزش و خطا کا احتمال ایک جماعت کی فکر میں لغزش کے احتمال سے زیادہ ہے۔

البتہ یہ مطلب اس بات سے جدا ہے کہ ہم اپنی فکر کو دوسروں کے افکار کا اسیر بنالیں اور اپنے استقلال فکری کو ہاتھ سے دے بیٹھیں کیونکہ اس قسم کی پیروی سوائے خودکشی کے اور کچھ نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ آیت کی تفسیر میں ہم دوسرے نظریات سے غفلت نہ برتیں اور انہیں نظر انداز نہ کریں، کیونکہ بسااوقات ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں کسی

نظریے کے اپنانے اوراس سے نتیجہ اخذ کرنے میں مدد دیں 'یا ہمیں ہماری غلطیوں سے واقف کریں۔

یہاں ایک نکتہ ، جس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے ' یہ ہے کہ مفسر کو کس زمانہ میں آیت میں موجود آراء و نظریات کی طرف توجہ کرنا چاہیے ؟ کیا آیت کے بارے میں نظریات و آراء کا مطالعہ پہلے کرنا چاہیے اور ان پر آگاہی حاصل کرنے کے بعد علمی و فکری کوشش کا آغاز کرنا چاہیے اور حق کو باطل سے جدا کرنا چاہیے 'یا پہلے خود اپنی تفسیر کی کوشش کرنا چاہیے اور آخری طور پر پختہ ارادہ کرنے کے موقع پر دوسروں کے اقوال و نظریات کی طرح رجوع کرنا چاہیے ؟

ایک مبتدی شخص کے لئے پہلا راستہ زیادہ مفید ہے جب کہ ایک محقق شخص کے لئے دوسری راہ متعین ہے ' کیونکہ بعض اوقات آراء و نظریات سے آگاہی انسان کو تحقیق و تفتیش سے روک دیتی ہے۔

۹۔ پہلے سے کئے ہوئے ہر قسم کے فیصلہ سے پرہیز

آیات قرآنی کا پہلے سے بٹھائے ہوئے نظریات کے ساتھ مطالعہ ' تفسیر کی بہت بڑی مصیبت ہے۔ جو شخص اپنے گذشتہ عقائد اور اپنے پہلے سے گھڑے ہوئے افکار کے ساتھ قرآن میں نگاہ کرے گا۔ اور اس کا ہدف اور مقصد یہ ہو کہ اپنے نظریہ کے لئے قرآن سے کوئی دلیل تلاش کرے اس قسم کا آدمی قرآن کے واقعی مقاصد سے آگاہ نہیں ہو سکتا اور مقصود کو حاصل نہیں کر سکتا۔ مفسر کو انتہائی غیر جانبداری اور پہلے سے کسی قسم کے بنائے ہوئے عقیدہ کے بغیر قرآن میں غور کرنا چاہیے تاکہ وہ قرآن کے مقاصد کو حاصل کر سکے۔ ہر قسم کا پہلے سے کیا ہوا ہوا فیصلہ مفسر اور قرآن کے مقاصد کے درمیان ایک عظیم حجاب ہے اور یہ احساس اس بات کا سبب بن جاتا ہے کہ مفسر عقیدہ کو قرآن پر پیش کرنے کی بجائے قرآن کی اپنے عقیدہ پر تطبیق کرتا ہے اور قرآن کی شاگردی کرنے کی بجائے اس کی استادی کرتا ہے۔

محدثین اسلام نے بالاتفاق رسول خداؐ سے ذیل میں بیان کردہ حدیث نقل کی ہے اور وہ یہ ہے :

من فسّر القرآن برایه فلیتبوا مقعده من النّار

جو شخص اپنی رائے سے قرآن کی (پہلے سے کئے ہوئے فیصلہ اور پہلے سے بنائے ہوئے نظریات کے مطابق) تفسیر کرے گا ' تو اس نے اپنے لئے آگ میں جگہ بنالی ہے۔

تفسیر بالرائی سے مراد اس کے علاوہ کہ جو کچھ کہا گیا ہے 'اور کچھ نہیں ہے۔

ایک آیت کی تاویل دوسری آیت کے ذریعہ ' مثلاً متشابہ آیت کی تاویل محکم آیت کی مدد سے معمولی مانع بھی نہیں رکھتی۔ اور اس قسم کی ایک تاویل تفسیر بالرائی نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کی خود قرآن کی مدد سے تاویل ہے۔

وہ چیز جو ممنوع ہے یہ ہے کہ ہم کسی آیت یا حدیث صحیح سے مدد حاصل کئے بغیر پہلے سے رکھے ہوئے عقیدہ کی بناء پر آیت کو اپنے شخصی مقصود پر منطبق کریں اس طرح سے کہ اگر وہ اس قسم کا عقیدہ نہ رکھتا ہوتا تو کبھی بھی آیت کی اس طرح تفسیر نہ کرتا۔ طول تاریخ میں گروہ باطنیہ اور کچھ عرفاء اور آخری زمانہ میں فرقہ ضالہ اور ہمارے زمانہ میں

چھوٹے چھوٹے گروہوں نے آیات قرآنی کے ساتھ کھیل کھیلا ہے اور ان کی اپنے ذوق شخصی کے مطابق تفسیر کی ہے۔ وہ نہ صرف خود ہی گمراہ ہوئے ہیں بلکہ انہوں نے دوسروں کی گمراہی کے اسباب بھی مہیا کیے ہیں۔

ہم یہاں ایک چھوٹا سا نمونہ پیش کرتے ہیں اور اس کی تفصیل کو دوسرے وقت پر چھوڑتے ہیں۔

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانِ ○ بَیْنَھُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیَانِ ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ ○ یَخْرُجُ مِنْھُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ ○

اس نے دو دریا ایسے بہا ہیں جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں، ان کے درمیان حائل ہے، جس سے وہ ایک دوسرے پر تجاوز نہیں کرتے، تم خدا کی نعمتوں میں سے کس کس کو جھٹلاؤ گے، ان دونوں دریاؤں سے لئولئو اور مرجان (موتی اور مونگے) نکلتے ہیں۔ (۲۹)

اس آیت میں مندرجہ ذیل امور کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے:

(۱) دو دریا آپس میں مل جاتے ہیں۔

(۲) ان دونوں کے درمیان ایک ایسا حائل ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے میں مخلوط نہیں ہوتے۔

(۳) ان دو دریاؤں سے لئولئو و مرجان (موتی اور مونگے) جیسے جواہرات نکالے جاتے ہیں۔

ان دو دریاؤں سے مراد لئولئو و مرجان کے انخراج کے قرینے سے دو قسم کے مختلف پانی ہیں جو دنیا میں کسی خاص نقطہ پر ایک دوسرے سے آملتے ہیں، اور ایک کا پانی دوسرے کے پانی سے ہرگز بھی خلط ملط نہیں ہوتا۔ دونوں دریاؤں کا اختلاف طبعی و یقینی طور پر شیریں و خوشگوار ہونے اور شور و تلخ ہونے، یا ان کے صاف و شفاف اور رنگ کے گہرے ہونے سے ہوگا۔ اب یہ دونوں طبیعی موجودات دنیا کے کس حصّہ میں ہیں اور کون سے سمندر کے اندر قرار پائے ہیں، سر دست ہمیں اس سے سروکار نہیں ہے۔

لیکن محی الدین ابن عربی جو عرفان میں غرق تھا جب اس آیت کی تفسیر تک پہنچتا ہے تو اسی فلسفی و عرفانی ذہن کے ساتھ آیت پر نظر ڈالتا ہے تو کہتا ہے کہ "شور و تلخ" دریا سے مراد امور مادی و جسمانی ہیں اور "شیریں و خوشگوار" دریا سے مراد وہی روح ہے کہ یہ دونوں کے دونوں انسانی وجود کے اندر مل گئے ہیں اور ان دونوں کے درمیان حاجز و فاصل وہی "نفس حیوانی" ہے جو اگر صفاو پاکیزگی میں روح انسانی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا لیکن کدورت و تیرگی میں اجساد و اجسام سے بالاتر و برتر ہے۔ اس کے باوجود ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی سرحد میں تجاوز نہیں کرتا، نہ روح بدن کو تجرد بخشتی ہے اور نہ ہی بدن روح کو تنزیل دیگر مادیات کے ہم ردیف بناتا ہے۔ (۳۰) یہ نمونہ ہمیں تفسیر بالرای کی حقیقت کی طرف اور یہ کہ پہلے سے کیے ہوئے فیصلے کس طرح تفسیر میں اثر انداز ہوتے ہیں رہبری کر سکتا ہے۔

۱۰۔ فلسفی و علمی بصیرتوں سے آگاہی

فلسفی و علمی افکار و نظریات سے آگاہی ذہن کے کھلنے اور قرآن سے قیمتی نتائج حاصل کرنے کا سبب بنتا ہے یعنی اگرچہ ہر قسم کی تفسیر بالرائ سے پرہیز کرنا چاہیے اور قرآن کی پہلے سے اپنائے ہوئے عقائد کی تصحیح کے لئے تفسیر نہیں کرنا چاہیے لیکن اس کے باوجود اسلام کے عظیم فلاسفہ کے افکار و نظریات جو توحید اور خدا کے صفات و افعال کے بارے میں ہیں اور دوسرے مسائل جو مبدء و معاد سے مربوط ہیں' سے آگاہی حاصل کرنا اسی طرح جو کچھ علم و دانش کی دنیا میں طبیعت' مادہ اور انسان کے بارے میں گزر رہا ہے اس کی اطلاع حاصل کرنا' انسان کی بصیرت کے کھلنے کا سبب ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں انسان قرآن سے بہتر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

اس زمانہ میں انسان نے زمین' عالم' حیوان اور انسان کے متعلق بہت ہی بلند قدم اٹھائے ہیں اور دانشناسی اور جامعہ شناسی کے متعلق بالکل نئے افق کشف کئے ہیں۔ درست ہے کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو کچھ اس مقولہ میں کہا گیا ہے اور اس کی تصویر کشی کی گئی ہے وہ صحیح ہے لیکن اس قسم کے علمی انکشافات سے آگاہی انسان کے فلسفی اور علمی دماغ کی تقویت کا سبب بنتی ہے اور مفسر کے ذہن کے کھلنے کا باعث ہوتی ہے اور اسے ایک خاص قسم کی توانائی بخشتی ہے کہ وہ قرآن سے زیادہ کامل صورت میں فائدہ اٹھائے۔ اب ہم اس بارے میں ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔

وہ چھ آیات' جو سورہ حدید کے آغاز میں وارد ہوئی ہیں اس بات کی واضح ترین گواہ ہیں اور ہم ان چھ آیات میں سے صرف دو آیات کے نقل اور ترجمہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرماتا ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْئٍ عَلِيْمٌ○

وہ ازلی و ابدی ہے' ظاہر و باطن ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

هُوَالَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ○

وہی ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا ہے' پھر وہ عرش پر غالب آگیا' جو چیز زمین کے اندر جاتی ہے اور جو اس سے باہر نکلتی ہے اور جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے' یا اس کی طرف اوپر چڑھتا ہے' وہ ان سب کو جانتا ہے اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اسے دیکھتا ہے۔ (۳۱)

فلسفی اور اعتقادی مسائل جو ان دو آیات (اور دوسری چار آیات) میں چھپے ہوئے ہیں' اتنے عظیم ہیں کہ امام زین العابدینؑ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

نزلت للمتعمقین فی اٰخر الزّمان

یہ چھ آیات آخری زمانہ کے فکر اور گہرائی میں جانے والے افراد کے لئے نازل ہوئی ہیں۔

کوئی بھی باانصاف آدمی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ علوم عرفی کے ذریعہ ان آیات کی تفسیر کی جاسکتی ہے کیونکہ جب ہم ان آیات کا فارسی (یا اردو) میں ترجمہ کرتے ہیں تو پھر بھی ان میں اجمال وابہام کی حالت باقی رہ جاتی ہے جبکہ ان باتوں سے آگاہی جو اسلامی محققین نے مبدء کے احاطۂ وجودی وعلمی کے بارے میں پیش کی ہیں ذہن کے کھلنے کا سبب بنتی ہے اور آیت کے مفاد کے بہتر تجلی کرنے کا باعث ہوتی ہے۔

کیا ایک ان پڑھ آدمی جس نے استاد کی صورت ہی نہیں دیکھی "وھو معکم اینما کنتم" کے جملہ کی گہرائی تک پہنچ سکتا ہے؟ کیا وہ آدمی جو معارف الٰہی میں راسخ نہیں ہے ' ھو الاوّل و الاٰخر و الظاھر و الباطن کی حقیقت کا ادراک کر سکتا ہے؟

پھر دوبارہ عرض کئے دیتا ہوں کہ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم یونانی یا اسلامی فلسفہ کی مدد سے یا علوم جدید کی مدد سے قرآن کی تفسیر کریں اور قرآن کو ان افکار پر منطبق کریں جو خطا سے محفوظ نہیں ہیں کیونکہ اس قسم کے کام کا سوائے تفسیر بالرای کے ' جو عقلاً و شرعاً ممنوع ہے اور کوئی نتیجہ نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس قسم کی آگاہی ہمارے ذہن کو قدرت و توانائی بخشتی ہے کہ ہم کتاب آسمانی کے مفاہیم و مقاصد میں زیادہ سے زیادہ دقت اور غور و خوض کریں اور اس کے مقاصد کو بہتر طور پر پالیں۔

موجودہ زمانہ میں روان شناسوں اور جامعہ شناسوں کے مباحث نے انسان کے بارے میں جو علوم طبیعی کے ماہرین کی تحقیقات نے زمین اور جہان کے بارے میں قرآن میں نئے افق کھولے ہیں اور موجودہ زمانہ کے انسان کو یہ قدرت و توانائی بخشی ہے کہ وہ قرآن میں جدید نگاہوں کے ساتھ غور کرے۔

یہاں آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے ارشاد کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا:

ما بال القراٰن لا یزداد عن النشر و الدرس الاغضاضة

آیات قرآن کا مطالعہ اور بحث و درس اس کی طراوت اور تازگی کا باعث کیوں ہوتا ہے؟

امام نے جواب میں فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ لم یجعلہ لزمان دون زمان ولا لنّاس دون ناس فھو لکلّ زمان جدید و عند کل قوم غض طری الیٰ یوم القیامۃ

خدا نے قرآن کو زمانہ کے کسی خاص حصہ کے لئے یا لوگوں کے کسی خاص گروہ کے لئے نازل نہیں کیا اسی وجہ سے قرآن تمام زمانوں میں تر و تازہ رہتا ہے اور تمام ملل عالم اور اقوام کے لئے قیامت کے دن تک طراوت و تازگی رکھتا ہے۔ (۳۲)

اور شاید ابن عباس نے اسی بنا پر کہا ہے:

اَلْقُرآنُ یُفَسِّرُہُ الزَّمَانُ

زمانہ قرآن کی تفسیر کرتا ہے۔

زمانہ سے مراد وہی نئے افکار اور نئے علوم و دانش ہیں جو طرح طرح کے حالات میں انسانی معاشرے میں پیدا ہوتے ہیں اور مفسر کو ایک نئی بینش بخشتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں قرآن سے ایسے نئے نئے مطالب نکلتے ہیں جو گذشتہ مفسرین کے فکر و نظر میں ہرگز نہ سمائے تھے۔

۱۱۔ صدرِ اسلام کی تاریخ سے آگاہی

"تاریخِ اسلام" سے مراد وہ واقعات ہیں جو پیغمبرؐ کی بعثت کے بعد اور خاص طور پر ہجرت کے بعد پیش آئے اور آیات قرآنی کا ایک حصہ ان ہی کے بارے میں ہے۔ لہذا ان کے لئے "غزوات" اور "سریوں" کی تاریخ سے آگاہی آیات قرآن کے ایک حصہ کی تفسیر میں ایک موثر مدد دیتی ہے۔

قرآن مجید میں بہت سے آیات "بدر" و "احد" و "احزاب" و "بنی مصطلق" و "حدیبیہ" و "فتح مکہ" اور یہود کے ایک قبیلہ "بنی النضیر" کے حوادث کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ ان حوادث کی وسیع تاریخ سے آگاہی جن کے بارے میں قرآن ایک خاص طرز پر بحث کرتا ہے، اس قسم کے "غزوات" و "سریات" سے مربوط آیات کے مفاہیم کو واضح کرنے کا سبب بنتی ہے اور یہ مسئلہ ہر مفسر کے لئے ملموس اور واضح و روشن ہے۔ اس سلسلہ میں اصل اور مستند تاریخوں کی طرف جو بے غرض اسلامی مورخین کے قلم سے لکھی گئی ہیں رجوع کرنا چاہیے اور علمی اسلوب سے صحیح تاریخ کو غیر صحیح سے پہچاننا چاہیے۔

البتہ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں بہت سی بے بنیاد باتیں بھی موجود ہیں جو نہ تو ہمارے عقائد اسلامی کے ساتھ سازگار ہیں اور نہ ہی آیات قرآنی کے ساتھ۔ لیکن تحقیق کرنے والا آدمی تاریخ شناسی کے اصول کے ساتھ حق کو باطل سے جدا کر سکتا ہے۔

اس سلسلے میں یہ پیش کش کی جاتی ہے کہ کتاب "سیرۃ ابن ہشام" مسعودی کی "مروج الذہب" مقریزی کی "امتاع الاسماع" اور "کامل ابنِ اثیر" سے استفادہ کیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود ان کتابوں کے مطالب اور مضامین کی سو فیصد ضمانت نہیں دی جا سکتی بلکہ ان میں اکثر ایسی بے بنیاد باتیں ملتی ہیں جو عقل و نقل کے بالکل بر خلاف ہیں۔

نمونہ کے طور پر: ''ابن اثیر' تاریخ کامل''میں جب زید اور اس کی بیوی ''زینب''کی داستان پر پہنچتا ہے تو ایک ایسا مطلب بیان کرتا ہے کہ اسے داناد شمنوں کے علاوہ کسی اور نے نہیں گھڑا۔(۳۳)

یا ہاتھیوں کے لشکر کے حملے اور ''ابابیل'' پرندوں کے ذریعہ ان کی ہلاکت 'اور تاریخی نابودی کو اس طرح سے بیان کرتا ہے جو نص قرآنی کے بالکل بر خلاف ہے۔(۳۴)

سیرۃ ابن ہشام وہ بہترین کتاب ہے جو رسول اکرمؐ کی سیرت کے بارے میں لکھی گئی ہے اور یہ کتاب ''سیرۃ ابن اسحاق'' کا خلاصہ ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سیرۃ ابن اسحاق کا کوئی نسخہ اس وقت ہمارے پاس موجود نہیں ہے اور اگر محققین اسلامی عالمی کتب خانوں کی طرف رجوع کر کے اس کے نسخہ جمع کرلیں اور تصحیح و تحقیق کے بعد اسے چھاپ دیں تو ممکن ہے کہ پیغمبر کی سیرت کے کئی آفاق ہمارے سامنے کھل جائیں جن کو دکھانے سے سیرۃ ابن ہشام عاجز و ناتواں رہا ہے۔

۱۲۔ پیغمبروں کی زندگی کے قصوں اور تاریخ سے آگاہی

آیات قرآن کا ایک عظیم حصہ گذشتہ انبیاء کی تاریخ سے مربوط ہے جو ہمیں ان کی پامردی اور اپنے اپنے زمانہ کے متکبرین اور جبارین سے مبارزہ کی طرز سے آشنا کرتی ہے۔ ''عاد'' و''ثمود'' جیسی اقوام کی زندگی کی تاریخ سے آگاہی 'یا جباران ''بابل''اور ''فراعنہ مصر'' کی شیطانی قدرت سے اطلاع ''ہود''و''صالح''اور ''ابراہیم''و''موسیٰ'' کے مانند پیغمبروں کے مبارزوں سے مربوط آیات کو واضح کرتی ہیں۔

بنی اسرائیل کے پیغمبروں خصوصاً ''داوٗد'' و''سلیمان''کی زندگی کے حالات سے مطلع ہونا بہت سی آیات کو خاص قسم کی روشنی بخشتا ہے اور ان شخصیات سے مربوط آیات کی طرف رجوع ہماری گفتگو کی صداقت کو واضح کرتا ہے۔

البتہ اس حصہ میں حزم واحتیاط کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے اور صحیح و قابل اطمینان تاریخ کو غیر صحیح سے جدا کرنا چاہیے۔ خصوصاً بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے بارے میں ''اسرائیلی''''جعلیات''اور من گھڑت باتیں بہت زیادہ ہیں اور ان پر ہرگز بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔

۱۳۔ نزول قرآن کے ماحول کی تاریخ سے آگاہی

قرآن ایک ایسے ماحول میں نازل ہوا جس میں رہنے والے لوگ ایک خاص قسم سے زندگی بسر کر رہے تھے اور آیاتِ قرآنی نے کئی مناسبتوں سے ان کی زندگی کے طریقے اور ان کے رسوم وآداب کی طرف اشارہ کیا ہے اور آخر میں ان پر تنقید کی ہے لہذا ایک مفسر کے لئے ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کی زندگی کی کیفیت اور اس کے زمانہ کی حالت سے کچھ نہ کچھ آگاہ ہو تاکہ اس حصہ سے مربوط آیات کو وضاحت سے معلوم کر سکے۔ مثلاً قرآن نے کچھ ایسے موضوعات کے بارے میں جیسے ''ازلام''(۳۵)اور کچھ بتوں کے بارے میں جیسے ''ود'' ''سواع'' ''یغوث''''یعوق''

"نعز" (۳۶) اور عربوں کے آداب و اخلاق کے بارے میں جیسے "واد البنات" (۳۷) (بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا) اور یتیموں کے ساتھ ان کی معاشرت کے طریقے اور اسلام سے پہلے اور اسلام کے زمانہ میں عربوں کی زندگی سے مربوط دسیوں موضوعات کے بارے میں قرآن نے گفتگو کی ہے اور اس حصہ سے مربوط آیات کی کامل تشریح اس گروہ کے طرز زندگی سے آگاہی کی رہین منت ہے کہ جن کے ماحول میں قرآن نازل ہوا ہے۔

بعض اوقات قرآن کوئی مثال پیش کر کے کچھ حقائق کو بیان کرتا ہے لیکن ایسی مثال کی واقعیت کو وہی لوگ معلوم کر سکتے ہیں جو بیابانی زندگی سے واقف ہوں یا جو خشک اور بے زراعت زمین میں زندگی بسر کرتے ہوں جیسا کہ "حقیقت" اور "سراب" کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً

ان لوگوں کے اعمال جنہوں نے کفر کیا اسے پیاسے کی مانند ہیں، جو ہموار بیابان میں "شورزار" کو پانی خیال کرتا ہے۔ (۳۸)

ایک بیابان میں رہنے والا، یا اس قسم کے لوگوں کی زندگی سے واقف آدمی اس مثال کی واقعیت کو بہتر طریقہ سے جانتا ہے لیکن وہ لوگ جو ہمیشہ دریاؤں کے کنارے پر سرسبز زمینوں میں زندگی گزارتے ہیں، ان کے لئے اس مثال کی واقعیت پہلے مرحلہ میں چنداں واضح نہیں ہوگی۔

۱۴۔ مکی آیات کی مدنی آیات سے شناخت

آیات قرآنی زمانہ نزول کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ وہ آیات جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور وہ آیات جو اس کے بعد نازل ہوئی ہیں، پہلے حصہ والی آیات کو مکی اور دوسرے حصہ والی آیات کو مدنی کہتے ہیں۔ (۳۹)

مکی آیات کا اپنا ایک لب ولہجہ ہے اور مدنی آیات کا ایک دوسرا لب ولہجہ ہے مکی آیات ایسے زمانہ میں نازل ہوئی ہیں جب مسلمان ایک مخفی گروہ کی صورت میں زندگی بسر کرتے تھے اور مبارزہ و مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور ان کے حالات زندگی تشریع احکام جیسے، نماز، روزہ، زکوٰۃ، خمس اور جہاد کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس بناء پر ان آیات میں زیادہ تر روئے سخن مشرکین کی طرف ہے اور قرآن زیادہ تر عقائد اور بلند معارف کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہے۔ جب کہ مدینہ کے حالات دوسری شکل کے تھے اور مسلمان ماحول کے سازگار ہونے کی بناء پر ایک عظیم قدرت کی صورت اختیار کر چکے تھے اور تشریع احکام کے حالات مکمل طور پر فراہم ہو چکے تھے۔ اس بناء احکام سے مربوط آیات مثل نماز، روزہ، زکوٰۃ، خمس اور جہاد مدینہ میں نازل ہوئیں۔

ان دونوں قسم کی آیات کی پہچان آیات کے مقاصد کو سمجھنے میں مکمل طور پر مدد کرتی ہے۔

ایک لکھنے والا مکی اور مدنی آیات کی صحیح شناخت نہ ہونے کی وجہ سے کہتا ہے کہ آیت "الّا المودّة فی القربیٰ"

خاندان رسالت کے بارے میں نازل نہیں ہوئی ہے کیونکہ یہ آیت سورہ کے مکی ہونے کی بناء پر مکہ میں نازل ہوئی ہے اوراس زمانہ میں اس قسم کی چیز کا سوال کرنا بلاغت نہیں ہے۔حالانکہ اگر وہ مکی آیات کی مدنی آیات سے تشخیص سے مربوط کتابوں کی طرف رجوع کرتا تواس کے لئے یہ واضح ہو جاتا کہ سورت کا مکّی ہونااس کی تمام آیات کے مکی ہونے پر گواہ نہیں ہے کیونکہ بہت سے مکی آیات مدنی سورتوں کے درمیان قرار پائی ہیں اوراسی طرح اس کے برعکس (مدنی آیات مکی سورتوں میں)اس سے قطع نظر وہ مفسرین جو سورہ شوریٰ کو مکی سمجھتے ہیں وہی اس آیت کی خصوصیت کے ساتھ اوراس سورہ کی بعض اور دوسری آیات کو مدنی قرار دیتے ہیں۔

یہ چودہ کے چودہ ستون قرآن کی "صحیح تفسیر کی روش" ہیں جن میں سے بعض کو اولیت حاصل ہے اگرچہ ان میں سے بعض کو بعض میں ادغام کیا جاسکتا ہے مثلاً تاریخ اسلام اور پیغمبروں کے قصص وواقعات کو ایک طرح سے شانِ نزول میں داخل کیا جاسکتا ہے۔لیکن ہم نے زیادہ وضاحت کے لئے ہر ایک کی الگ الگ تحقیق پیش کی ہے۔

ایک سوال

یہاں تک صحیح تفسیر کے شرائط اور بنیادی باتیں واضح ہوگئیں۔اب اس سلسلہ میں ایک سوال سامنے آتا ہے جس کا ہم اب جواب دیتے ہیں ،سوال یہ ہے :

عربی مبین سے کیا مراد ہے ؟۔

اگر تفسیر قرآن اس قسم کے مقدمات کی محتاج ہے تو پھر قرآن اپنی اس طرح سے توصیف کیوں کرتا ہے :

وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ

قرآن واضح عربی زبان میں ہے۔(۴۰)

اور دوسرے موقع پر فرماتا ہے :

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الامِينُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ

اے پیغمبر روح الامین نے قرآن کو تیرے قلب پر نازل کیا ہے تاکہ توڈرانے والوں میں سے ہو اور (قرآن) وہ واضح عربی زبان میں ہے۔(۴۱)

کیاان دونوں آیات اوران سے ملتی جلتی آیات کا مفاد یہ نہیں ہے کہ تفسیر قرآن خود زبان عربی سے آگاہی کے علاوہ کسی اور چیز کی محتاج نہیں ہے۔

جواب

چونکہ مشرکین عرب قرآن کی "تحدی" اور چیلنج کے مقابلہ میں ناتوانی کا احساس کرتے تھے لہذا وہ ہمیشہ اسی

فکر میں رہتے تھے کہ اس کا کوئی مبدء و منشاء سوچیں آخر کار انہوں نے کہا کہ :

پیغمبر قرآن کو "جبر و یسار" نامی دو رومی غلاموں اور ان ہی جیسے دوسرے لوگوں سے لیتا ہے' جیسا کہ آیت کا ما قبل اس بات کی حکایت کرتا ہے' جیسا کہ فرماتا ہے :

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ

ہم جانتے ہیں کہ مشرکین یہ کہتے ہیں کہ محمدؐ کو ایک بشر سکھاتا ہے حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ قرآن کی نسبت دیتے ہیں عجمی ہے اور قرآن واضح عربی زبان میں ہے۔ (۴۲)

"عجم" اصل میں ابہام کے اصل معنی میں ہے اور اعجمی اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جس کے بیان میں کوئی نقص ہو' چاہے وہ عرب ہو یا غیر عرب چونکہ عرب اپنے غیر کی زبان سے کوئی واقفیت نہیں رکھتے تھے لہذا وہ غیر عرب کو عجم کہہ کر پکارتے تھے کیونکہ وہ عربی کو اچھی طرح نہیں سمجھتا' یا ٹھیک طرح سے اس میں گفتگو نہیں کر سکتا۔

اس شان نزول کی طرف توجہ کرتے ہوئے' جسے عام طور پر مفسرین نے نقل کیا ہے' یہ کہا جاسکتا ہے کہ آیت کا ہدف یہ ہے کہ کیا یہ بات صحیح ہے کہ یہ کہا جائے کہ پیغمبر نے قرآن اس قسم کے افراد سے لیا ہے حالانکہ قرآن سراسر فصاحت و بلاغت' جذب و کشش اور عذوبت و شرینی ہے جب کہ ان دونوں افراد کی گفتگو میں یہ خوبی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دو آدمی رومی ہونے کی وجہ سے یا تو عربی زبان جانتے ہی نہیں تھے اور اگر جانتے بھی ہوں تو وہ اچھی طرح اس میں گفتگو نہیں کر سکتے تھے اور ان کے کلمات اور باتیں تحریف اور غلطی سے خالی نہیں تھیں۔ اس بناء پر آیت کا مفاد یہ ہے کہ قرآن ایک صحیح کلام ہے اور ایک فصیح و بلیغ گفتگو ہے اور ہر قسم کی غلطی اور تحریف سے پاک ہے اس بناء پر یہ ان دونوں یا ان جیسے افراد کے دماغ کی پیداوار نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس بات پر توجہ کرنا چاہیے کہ کلام کا فصیح و بلیغ ہونا' یا غلطی اور تحریف سے پاک ہونا' اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ ہم اس کی تفسیر میں بیان کردہ مقدمات کے محتاج نہ ہوں اور اس کے مقدمات کی طرح محتاج ہونا ہرگز اس کے عربی مبین ہونے کے ساتھ منافات نہیں رکھتا۔

اس وقت دنیا کے تمام ممالک میں علمی کتابیں جو ابتدائی تعلیم و تربیت یا اعلیٰ تعلیم کے ساتھ مربوط ہیں بہت ہی سلیس اور اخلاق و پیچیدگی سے دور نثر میں لکھی گئی ہیں۔ اس کے باوجود وہ سب کی سب یا ان میں سے بہت سی معلم اور استاد کی تدریس سے بے نیاز نہیں ہیں۔ ہم اور زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اگر قرآن ایک واضح و آشکار عربی کی نثر ہے تو اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کے گفتگو کرنے کا طریقہ زبان عربی سے ناآگاہ افراد کی گفتگو جیسا نہیں ہے جو چند غلط سلط اور محرف الفاظ کو ملا کر اپنے خیال میں عربی زبان میں کررہے ہوں بلکہ یہ ایک ایسا کتاب ہے جو زبان

عربی کے اسلوب سے موافق اور ہر قسم کی تحریف و غلطی اور ہر قسم کی مغلق گوئی اور پیچیدہ سرائی سے دور اور خالی ہے۔

یہاں پر ہم دامن سخن کو کوتاہ کرتے ہوئے اپنی بحث امیر المومنین حضرت علیؑ کا ایک ارشاد نقل کرنے کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔ امیر المومنینؑ نے ابن عباس کو خوارج سے احتجاج کرنے کے لئے بھیجا اور اس طرح حکم دیا:

لا تخاصمهم بالقراٰن فانّ القراٰن ذو وجوه و حمال' تقول و يقولون و لكن حا ججهم بالسنة فانهم لن يجد وا عنها محيصاً

اے ابن عباس خوارج سے مذاکرہ کے وقت قرآن کے ساتھ ہر گز احتجاج نہ کرنا کیونکہ آیات قرآنی کئی احتمالات کی حامل ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تو ایک احتمال کو لے اور وہ دوسرے احتمال کو اور اس کے نتیجہ میں بحث و نزاع میں طول ہو جائے ان کے ساتھ پیغمبر کی احادیث سے احتجاج کرنا جو مطلوب پر دلالت کرنے میں زیادہ صریح ہیں۔ (۴۳)

یہ گراں مایہ جملہ واضح طور پر بتلاتا ہے کہ کچھ آیات قرآنی کئی احتمال رکھتی ہیں اور کسی ایک احتمال کا تعین مقدمات کو طے کئے بغیر ہر گز امکان پذیر نہیں ہے اور صرف ادبی اطلاعات رکھنے کی بناء پر اس طرح کے ابہامات بر طرف نہیں ہوتے۔ اس قسم کے ابہامات کو دفع کرنا اور انہیں طریقوں سے ہوتا ہے جن کی وضاحت کی جا چکی ہے۔

یہ حدیث یہ بتلاتی ہے کہ سب آیات قرآنی سر تا سر صریح الدلالہ نہیں ہیں اور آیت کے مفاد کو مختلف احتمالات میں سے معین کرنے کے لئے دوسرے مقدمات سے استفادہ کرنا پڑتا ہے۔

حوالہ جات

(۱) سورۃ المدثر '۴۹-۵۱
(۲) سورۃ القمر '۱۷
(۳) کتاب "تفسیر صحیح آیات مشکل قرآن"
(۴) سورۃ النحل '۸۹
(۵) الشعراء '۱۷۳
(۶) حجر '۴۷
(۷) سورۃ البقرۃ '۲۱۰
(۸) سورۃ النحل '۸۹
(۹) سورۃ البقرۃ '۲۷۵
(۱۰) سورۃ النساء '۱۷۴
(۱۱) سورۃ التوبہ '۱۱۸
(۱۲) سورۃ البقرۃ '۲۷۵
(۱۳) سورۃ الحشر '۷
(۱۴) المائدہ '۱
(۱۵) النحل '۴۴
(۱۶) قیامت '۱۶'۱۹
(۱۷) تمام آیات قرآن کی ہم آہنگی کی طرف توجہ آیت کی آیت کے ساتھ تفسیر کے لزوم کے علاوہ ایک چیز ہے جو تیسری شرط کی صورت میں بیان ہوئی ہے اور ان دونوں کا آپس میں مختلف ہونا بہت ہی واضح ہے۔
(۱۸) النساء '۸۲
(۱۹) الزمر '۲۳
(۲۰) یہ عربی زبان میں تفسیر موضوعی ہے جس کی اب تک تین جلدیں چھپ چکی ہیں:

۱۔ معالم التوحید فی القرآن الکریم

۲۔ معالم الحکومۃ الاسلامیۃ فی قرآن الکریمْ

۳۔ معالم النبوۃ فی القرآن الکریم

(۲۱) اعراف ۳۵ ' لفظ "اما" تھا اور یہ دونوں حرف مخرج کے نزدیک ہونے کی وجہ سے "ن" کا مخرج "ما" کے مخرج کے ساتھ ایک دوسرے میں ادغام ہو گیا ہے اور حقیقت میں "اما" اس موقع پر شرطیہ ہے اور جملہ کا معنی یہ ہے کہ "بہ تحقیق اگر تمہاری طرف پیغمبر آئیں"

(۲۲) الاحزاب ' ۴۰ (۲۳) الاعراف ' ۲۶ (۲۴) الاعراف ' ۲۷

(۲۵) الاعراف ' ۳۵ (۲۶) یٰسین ' ۶۰

(۲۷) مزید تحقیق کے لئے آیات کو خود قرآن میں مطالعہ کریں ہم رہنمائی کے لئے چند ایک آیات کے آغاز کو پیش کرتے ہیں :

الف۔ و ان طلقتموھنَّ من قبل ان تمسّوھنَّ ---البقرہ ' ۲۳۷۔ اگر تم انہیں نزدیکی کرنے سے قبل طلاق دے دو۔

ب۔ حافظوا علی الصلوات والصّلوۃ الوسطیٰ ---البقرہ ' ۲۳۸۔ نماز کی خصوصاً وسطیٰ نماز کی حفاظت کرو۔

پ۔ فان خفتم فرجالاً او رکباناً---البقرہ ' ۲۳۹۔ اگر تمہیں خوف ہو تو پھر پیادہ یا سوار ہی نماز پڑھو۔

ج۔ والّذین یتوفّون منکم و یذرون ازوجاً---البقرہ ' ۲۴۰۔ جو لوگ مر جاتے ہیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جاتے ہیں

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں پہلے اور آخری حصہ کی آیات زوجہ و شوہر سے مربوط مسائل کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں جبکہ وسطی حصہ کی آیات نماز کی محافظت اور نماز خوف کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں۔

(۲۸) ہم نے کتاب "تفسیر صحیح آیات مشکلہ قرآن" اور کتاب "راہ سوم" میں اس آیت کے سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور دلائل قطعی اور علم آفرین سے یہ ثابت کیا ہے "اہل البیت" سے مراد ایک مخصوص گروہ ہے جن کے مشخصات نبی اکرمؐ کی زبانی بیان ہوئے ہیں۔

(۲۹) الرحمٰن ' ۱۹ ' ۲۲

(۳۰) تفسیر ابن عربی ج ۲ ص ۲۸۰ یہ تفسیر بالرای کا ایک نمونہ ہے اور ابن عربی کی کتاب تفسیر اس کی کتاب "فصول الحکم" کی طرح ہی اس قسم کی بالرای تفسیروں سے پر ہے جو عقلاً و شرعاً ممنوع ہے۔

(۳۱) الحدید ' ۳ ' ۴ (۳۲) تفسیر برہان ' ج ۱ ص ۲۸ (۳۳) تاریخ کامل ' ج ۲ ص ۱۲۱

(۳۴) تاریخ کامل ' ج ۱ ص ۲۶۳ (۳۵) سورۃ مائدہ ' ۳ ' ۹۰

(۳۶) سورۃ نوح ' ۲۳ (۳۷) سورۃ تکویر ' ۸ (۳۸) نور ' ۳۹

(۳۹) آیات مکی و مدنی کی تفسیر میں رائج اصطلاح وہی ہے جو لکھی گئی ہے اور اس سلسلہ میں ایک دوسری اصطلاح بھی ہے جو اہل فن سے مخفی نہیں ہے۔

(۴۰) النحل ' ۱۰۳ (۴۱) شعراء ' ۱۹۳ ' ۱۹۵ (۴۲) النحل ' ۱۰۳

(۴۳) نہج البلاغہ شمارہ ' ۷۷